۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نقد و نظر

ہمارا مجلّہ چونکہ اپنے سامنے چند واضح مقاصد رکھتا ہے اس لیے ہم اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس میں شائع ہونے والے مضامین میں تنوّع کے باوجود مقصدی ہم آہنگی پائی جائے۔ اس شمارے میں جو مضامین شائع کیے جارہے ہیں اس بات کی شہادت فراہم کرتے ہیں۔

پہلا مضمون ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یُوں تو شروع سے اسلامی اقدار کے احیاء کے پُرجوش مبلّغ اور داعی رہے ہیں اس لیے انہوں نے قلم کے میدان میں وہ جوہر دکھائے جو خدا کی راہ میں نکلنے والا مجاہد میدانِ جہاد میں دکھاتا ہے مگر خاص طور پر زندگی کے آخری حصّے میں ملک کے نظامِ تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر اُستوار کرنے اور نصاب کی تدوین و ترتیب میں اسلام کو مشعلِ راہ بنانے اور نصابی کتب کے اندر اسلامی روح داخل کرنے کے لیے انہوں نے جو جدوجہد کی وہ ہماری ملّی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا فاضلانہ مقالہ "سائنسی کتب کے نقائص" اُن کے بنیادی فکر کو بطریقِ احسن اُجاگر کرتا ہے۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ جب تک نصابی کُتب خواہ وہ سائنس کی کتب ہوں یا عمرانیات کی، اسلام کے تصوّرِ حیات کی شارح و ترجمان نہ ہونگی اس وقت تک احیائے ملّت کا خواب، خواب ہی رہے گا۔ شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔

دوسرے مضمون میں جناب مظفر حسین صاحب نے علّامہ اقبال علیہ الرحمہ کے بارے پھیلائی ہوئی ایک غلط فہمی کہ وہ مرنے کے بعد جسمانی بعثت کے قائل نہ تھے، کو ناقابلِ تردید شواہد سے دُور کیا ہے۔ علّامہ مرحوم کے بارے میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ آپ نے اسلامی نظریات کو دورِ حاضر کے فلسفیانہ نظریات سے تطبیق دینے کی خاطر جن غیر ضروری تاویلات کا سہارا لیا ہے وہ راسخ العقیدہ اسلامی تصوّرات سے اتنی ہٹی ہوئی ہیں کہ ان پر "تجدّد پسندی" کا گمان ہوتا ہے۔ یہ الزام کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں۔ علّامہ مرحوم کے افکار میں تازگی اور ندرت تو بلاشبہ پائی جاتی ہے مگر تجدّد پسندی نہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ

بعض کوتاہ بیں حضرات نُدرت اور تجدّد پسندی کے مابین جو لطیف سا فرق ہے اُسے نظر انداز کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کو تجدّد پسندی کے زمرے میں شامل کرنے پر مُصر ہیں۔ مثال کے طور پر آپ زیر نظر مضمون کو ہی لیجیے اِس میں فاضل مضمون نگار نے ثابت کیا ہے کہ علّامہ اقبالؒ نے حیات بعد ممات کا جو تصوّر پیش کیا ہے وہ اسلام کے ایمان بالآخرت کے تصوّر سے کسی لحاظ سے بھی متصادم نہیں۔ اُنہوں نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی اساس قرآن وحدیث ہی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اُن کے ذہنِ رسا نے ان آیات اور احادیث سے جو معانی اخذ کیے ہیں اُن سے قرآنی مضامین کی ابدی تازگی پر ایک نئی دلیل فراہم ہوئی ہے اور یہ سعادت صرف اس شخص کے حصّے میں آتی ہے جس کے دل پر "نزولِ کتاب" ہو۔

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ پنجاب لاہور نہ صرف اِس ملک میں بلکہ بیرونِ ملک بھی ایک عظیم علمی شخصیت کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ انہوں نے "لغات القرآن" پر جو نیا کام شروع کیا ہے اُس کے چند الفاظ بطورِ نمونہ ان صفحات میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان سے نہ صرف فاضل مُصنّف کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ قرآنی لغت کی تدوینِ جدید میں بڑی "قابلِ قدر رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے۔

"اقبال اور نٹشے" میں جناب عباد اللہ فاروقی نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اقبال کے انسانِ کامل اور نٹشے کے فوق البشر کے مابین قوت کے حصُول کے معاملے میں جو بظاہر ایک مماثلت پائی جاتی ہے اس سے بعض سطح بیں حضرات نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اقبال بھی نٹشے کی طرح اندھی بہری قوت کا پرستار ہے مگر یہ کسی جہت سے بھی صحیح نہیں۔ نٹشے کے مذہب و اخلاق کے تصوّر کے خلاف اقبال کا انسانِ کامل رزم گاہِ حیات میں بلاشبہ بھرپور حصّہ لے کر اپنی خودی میں قوت و توانائی پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ اس کی منزلِ مقصود نہیں ہوتی بلکہ حصُولِ منزل کا محض ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ وہ اس مستحکم خودی سے ارفع و اعلیٰ مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قوت و جبروت کا حیاتِ انسانی میں اپنا ایک مقام ہے اور اس کی افادیت اور اثر پزیری کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مگر قوت و جبروت کا انسانی پیکر اسی صورت میں انسانیت کے لیے خیر اور بھلائی کا ذریعہ بن سکتا ہے جب روحانیت اس کے عمل کی محرّک اور اخلاقی احساسات اس کی زادِ راہ ہوں۔ وہ اگر انسانیت کے ان دو قیمتی جوہروں سے محروم ہے تو اس کی حیثیت انسانیت کے لیے دیوِ استبداد کی ہے۔

اس شمارے کا آخری مضمون علّامہ اقبالؒ کا نظریۂ تعلیم ہے۔ علّامہ مرحوم اگرچہ اصطلاحی معنوں میں

کوئی ماہرِ تعلیم نہ تھے لیکن تعلیم سے ان کی دلچسپی زندگی بھر قائم رہی۔ کبھی براہِ راست معلّم کی حیثیت سے اور کبھی مروّجہ نظامِ تعلیم کے نقاد اور مصلح کی حیثیت سے۔ زیرِ نظر مضمون میں جناب محمد حنیف شاہد نے علّامہ اقبالؒ کے تعلیم کے بارے میں نظریات کو پیش کیا ہے۔

علّامہ اقبالؒ سب سے زیادہ بچّوں کی تعلیم پر زور دیتے تھے کیونکہ ان کی صحیح تعلیم و تربیت پر ہی کسی قوم کی فلاح و کامرانی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اُن کے خیال کے مطابق مُعلّم قوم کے محافظ اور معمار ہیں کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی، تمدّنی اور مذہبی نیکیوں کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے۔ علّامہ صاحب اس پیشہ کے تقدس کے لحاظ سے اساتذہ کو اعلیٰ اخلاق سے متصف ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ تعلیم کو عام کرنے اور نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے زبردست حامی ہیں۔ وہ مغرب کی اندھا دھند تقلید اور روایت پسندی کو تعلیم کے لیے مہلک تصوّر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اُمّتِ مُسلمہ کے انحطاط کو روکنے اور اس کی قوتوں کو ترقی کی راہ پر لگانے کے اس نظامِ تعلیم میں اسلام کے مطابق اصلاح و تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔

فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں علّامہ مرحوم کی ایک ایسی بات نقل کی ہے جس سے یہ غلط تاثر پیدا ہونے کا احتمال ہے کہ آپ بچّوں کو خدا کی تعلیم دینے کے خلاف تھے اور خدا کے مجرّد تصوّر کو بچّے کے ذہن پر ایک غیر ضروری بوجھ سمجھتے تھے۔ علّامہ صاحب کے بارے میں یہ تاثر پیدا کرنا اُن سے سخت ناانصافی ہے۔ علّامہ اپنے مضمون میں جس چیز کی طرف توجّہ دلا رہے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ بچہ چونکہ خوگرِ محسوسات ہوتا ہے اور مجرّد تصوّرات کو سمجھنے کی صلاحیّت نہیں رکھتا اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اُس کے ذہن میں خُدا کا تصوّر پیدا کرنے کے لیے اُس کے ذہن کی نشوونما کی فطری تدریج کو پیشِ نظر رکھا جائے، ورنہ خدا کا نام تو ہر مسلمان بچّے کے پیدا ہوتے ہی اذان کے ذریعے اُس کے کان میں پھونک دیا جاتا ہے اور یہ اہتمام اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے اور صوت و معانی کے ربطِ باہم سے سرے سے ناآشنا ہوتا ہے۔

علّامہ اقبال کا محوّلہ بالا مضمون "مخزن" جنوری ۱۹۰۲ء میں چھپا تھا اور اسی زمانے کی (یعنی ۱۹۰۵ء سے پہلے) آپ کی چند نظمیں بچّوں کے لیے ہیں جو "بانگِ درا" میں موجود ہیں، مثلاً ایک مکڑا اور مکھی، ایک پہاڑ اور گلہری، ہمدردی، بچّے کی دعا، وغیرہ۔ اِن سب نظموں میں خدا کا نام بطور ایک حقیقتِ تام

(باقی صفحہ ۷۷ پر)